ویسے ہی جُھک جاتے ۔۔۔ میں نے اُنہیں کبھی چلتے پھرتے ، اٹھتے بیٹھتے اور ہنستے مسکراتے نہیں دیکھا اور جب باہر کے لوگوں کو ایسے دیکھا تو اچنبھا ہوا کہ لوگ ایسے بھی زندگی کرتے ہیں ۔۔۔ میں وہ گیلا برتن تھا جو ماں کی بھٹی میں پکا ۔۔۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں جانوں کہ وہ دونوں مالک سے چوری اور کام کاج سے پرے ہو کر کیسے یوں ملے کہ میں ہوا ۔۔۔ پر یہ بھی ویسے ہی ہوا ہو گا جیسے میرے بال ہوئے تھے ۔۔۔ میرے بچے آئے تھے ۔۔۔ کتنے تھے وہ ؟ ۔۔۔ کیا پتہ ۔۔۔ کیا پتہ وہ سب ہوں جن کے جوان جُثے پسینے سے نچڑتے تھے اور کیا پتہ اُن میں سے کوئی بھی نہ ہو ۔۔۔ جب اندھیرا گرتا تھا تو ہم سب چھپروں تلے پڑتے تھے تو بے سُدھ پڑتے تھے اور تب اگر کچھ جُثے سرک سرک کر ایک دوسرے کے پاس ہو ہو جاتے تھے تو کیا پتہ چلتا تھا کہ کون کس میں ہے ۔۔۔ تو مجھے اُن کا پتہ نہ چلا جو میرا بیج تھے جس طرح مجھے یہ پتہ نہ چلا جس کا میں بیج تھا اور اس کا بھی مجھے دکھ تھا ۔۔۔ بندے کو پتہ تو ہو کہ وہ آگے بڑھا ہے ۔۔۔ اُس کا بُوٹا ہرا ہوا ہے ، اُس کا بیج سُوکھ سڑ نہیں گیا اور تب بھی میں نے یہی کہا کہ میں آؤں گا ۔

"می آؤں ۔۔۔ می آؤں" مور اُس کے پاس کہیں بولا ۔

"اب بولتے ہو ۔۔۔ شی" ڈور گا نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چاروں اور دیکھا "چُپ ۔۔۔" اور پھر کان کے پیچھے ہتھیلی رکھ کر اُس نے سُنا جیسے دور کے جواب کو سنتا ہو ۔

رُکھوں کے اندر کوئی پکھیرو رُک رُک کر بولا اور پھر چپ ہو گیا ۔

ڈور گا نے اپنی چپٹی ناک کے نتھنوں کو پھلا کر رُکھوں کے اندر ٹھہری ہوئی باس کو اپنے اندر کھینچا ۔۔۔ ہُوں میں تجھے سونگھتا ہوں ۔۔۔ وہ مسکرایا ۔۔۔ باس کو اپنے اندر کھینچا اور پھر اندھا دُھند بھاگنے لگا ۔ رُکھوں سے ٹکراتا اُن کو پھلانگتا بھاگنے لگا ۔۔۔ چیتر کی چاندنی پتوں میں سے چھن کر نیچے آتی تھی تو وہاں پتہ چلتا تھا کہ آگے کیا ہے ۔

اُوپر رُکھوں کے اندر کوئی ٹہنی ٹوٹی اور ماسا نے آنکھیں کھول کر نیچے دیکھا ۔

نیچے کوئی رُکھوں سے ٹکراتا اُن کو پھلانگتا بھاگتا تھا اور چیتر کی چاندنی پتوں میں سے چھن کر نیچے جاتی تھی تو وہاں پتہ چلتا تھا کہ نیچے کیا ہے ۔ اور وہ وہاں ایک رُکھ کے ساتھ ٹیک لگائے اُونگھتا تھا ۔ اُس کی کالی بھور آنکھیں بند تھیں اور وہ نیند اور زور کے نشے میں بے سُدھ پڑا اونگھتا تھا ۔۔۔ تب اُس کے ڈھلکے ہوئے کان تھرائے اور پھر سیدھے ہو گئے ، ایک آواز آتی تھی ، رُکھوں میں سے ایک دھمک آتی تھی جیسے کوئی زمین کو پاؤں سے ڈھول کی طرح پیٹتا چلتا

ہو ۔۔۔ اور یہ اُن رُکھوں میں رہنے والے کسی جنور کی نہ تھی کیونکہ وہ سب کے پاؤں کی چاپ کو جانتا اور پہچانتا تھا ۔۔۔ اور نہ ہی یہ کوئی بندہ تھا کہ بندے کے پاؤں زمین پر یوں نہیں پڑتے کہ وہ ڈھول ایسے دھم دھم بولنے لگے ۔۔۔ تو پھر یہ کیا ہے جو سنائی دیتا ہے ۔۔۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کان لگا کر سننے لگا ۔ کوئی اُس کی طرف آتا تھا اور اُس کے لئے آتا تھا ۔ اُس کے تتھنے پھڑکے اور اُن میں بُھوک اور بے چارگی کی باس آئی اور وہ چوکنا ہو گیا ، کوئی اُس کی طرف آتا تھا اور اُسی کے لئے آتا تھا ۔

جب ڈور گا بھاگتا ہوا اُس گھنے جُھنڈ کے اندر آیا جس کے ایک رُکھ سے ٹیک لگائے وُہ پہلے اونگھتا تھا اور اب چوکنا کھڑا تھا اور اُس کی اڈیک میں تھا اور اپنے پچھلے سموں سے زمین کو رگڑتا تھا تو ڈور گا ٹھٹکا اور کھڑا ہو گیا ۔ ایک پل کے لئے اُس میں وہ سارا ڈر آیا جو اُن سب کا تھا جو میل کے لئے آنے کو تھے اور جنہیں وہ ساتھ لایا تھا اور یہ ڈر نکلتا بہت کم ہے بلکہ اندر بیٹھ جاتا ہے ۔ جھکی ہوئی کمر سیدھی ہو جائے تو بھی اندر سے جھکی رہتی ہے ۔۔۔ وہ اُس کے سامنے کھڑا تھا اور اُس کے تتھنوں کی گرم ہواڑ اُس کے جُثے تک آتی تھی ۔

میں اُن سب کی طرف سے آیا ہوں جو کبھی تمہاری چار دیواری میں تھے ، جُھکے ہوئے لوگوں کی طرف سے جو تمہارے لیے اینٹیں ڈھوتے تھے ، جن سے موہنجو کے کنک گودام ۔ حویلیاں ۔ تالاب اور کنویں بنتے تھے ۔ کہاوت ہے کہ اس ساری زمین پر لوگ پتھر اور گارے کی بستیوں میں رہتے ہیں اور یہ صرف موہنجو میں ہے کہ یہاں پکی اینٹ لگتی ہے ۔ کسی نے آج تک یہ نہ پُوچھا کہ ان اینٹوں کو بناتا کون تھا اور انہیں پکاتا کون تھا ۔ سب نے موہنجو کے گودام اور کنویں دیکھے اور اُن کو نہ دیکھا جو شہر سے پرے سندھو کے کنارے چار دیواری کے اندر بھٹوں پر جنور بنے کام کرتے تھے اور گارا بناتے تھے ، اُسے سانچے میں ڈالتے تھے ۔ دھوپ میں سکھاتے تھے اور پھر بھٹے میں رکھ کر اُس کے گرد آگ جلا کر پکاتے تھے اور آگ جلائے رکھتے تھے ۔۔۔ اور وہ تم تھے جس نے پہلے پہل وہ چار دیواری بنائی ۔۔۔

اِن رُکھوں میں میرا راج تھا یہ کدھر سے آ گیا ۔۔۔ موہنجو تو یہاں سے بہت دُور ہے! رُکھوں اور ریت کے پار کئی دن اور کئی رات کی مسافت پر اور یہ وہاں سے یہاں کیسے لیا ۔۔۔ پر اچھا ہوا جو آ گیا ۔

بھینسا ڈور گا کے سامنے کھڑا تھا اور اُس کے تتھنوں کی ہواڑ اُس کے سیاہ جُھکے ہوئے جُثے کو جھلساتی تھی ۔

اُس کے تتھنوں کی ہواڑ اُس کے سیاہ جُھکے ہوئے جُثّے کو جھلساتی تھی پر رُکھوں کے اُس ذخیرے میں کُچھ اور بھی تھا جو پھیلتا تھا ۔ ایک باس تھی جو رُکھوں کے اندر سوئی پڑی تھی ، کتنے برسوں سے ، ہزاروں برسوں سے اور وہ جاگی ۔۔۔ اُن کے جُثّوں سے نچڑنے والے پسینے کی باس جو اگر ایک جگہ سارا کا سارا گرتا تو گھاگھرا سے بڑھ کر پھیلتا ۔

"آ گئے ہو ۔ آ گئے ہو" اوپر کہیں اوپر پتّوں کے درمیان اُنہی کے رنگ میں رنگا ماسا تالی بجاتا تھا "مجھے پتہ تھا تم آؤ گے میل کرنے ۔۔۔ نرا ماسے کو پتہ تھا اور کوئی نہیں جانتا تھا"

"سب جانتے تھے ۔۔۔" ایک رُکھ جو بوڑھا ہو کر بودن ہو چکا تھا اندر سے خالی ہو چلا تھا بولا ۔ "یہ ادھر ہم میں پھرتا تھا اور ہم جانتے تھے کہ کوئی آئے گا جو اس کے ساتھ میل کرے گا"

"یہ کون بولا ؟" ماسا نے کان کھڑے کر دئیے "کون بولا ۔۔؟"

"میں اور کون ؟" ایک رُکھ بولا

"مَیں مَیں" دوسرا کہنے لگا ۔

"اور میں ۔۔۔" ایک پیپل کے پتّے کھڑکے ۔

"ہیں ؟" ماسا اچنبھے میں تھا "میں تم میں رہتا تھا ۔ بستا تھا ۔۔۔ اور تم کبھی نہ بولے ۔۔۔ آج کیا ہوا ۔۔۔ کیا تم سچ مچ بولتے ہو ۔۔۔ یا میرے کان بجتے ہیں"

ڈورگا کے آس پاس رُکھ بولتے تھے ۔ ماسا تالی بجاتا تھا اور سامنے وہ سانس اندر کو کھینچ کر باہر ایسے پھینکتا تھا کہ ڈورگا کے جُثّے کو جُھلساتا تھا ۔

"می آؤں ۔۔۔ می آؤں" مور بھی بولا

"تم آج چُپ ہو جاؤ ۔۔۔ ہم تمہاری سُنتے آئے ہیں ۔ اب ہماری سُنو" پیپل کا ایک رُکھ مور پر جُھکا "تمہیں پتہ ہے وہ آیا ہے اور اُس کے سامنے کھڑا ہے ۔۔۔ بہت برسوں بعد آیا ہے"

مور نے حیرت سے اپنے چار چفیرے دیکھا اور رُکھوں کو چُپ پایا ۔۔۔ کیا یہی بولتے تھے یا کوئی اور تھا!

ماسا ایک رُکھ سے دوسرے رُکھ پر کودتا جاتا تھا اور کہتا تھا "کیوں ہے ۔ کدھر ہے ۔ وُہ اگر ہے تو کہاں ہے ۔۔۔ ہم اس لئے ہیں کہ ہمیں ہونا چاہیئے ۔ وہ اگر ہے تو یہیں ہے ۔۔۔"

شک کی باس رُکھوں میں پھیلی اور وہ بولنے لگے "وہ اگر ہے تو کہاں ہے؟ کہاں ہے؟"

اور اُن کے نیچے گھاس نے بھی شک کی باس سونگھی اور بولنے لگی "وہ اگر ہے ۔۔۔ کہاں

ہے ؟"

بھینسے کے سامنے وہ کھڑا تھا ۔۔۔ کیا یہی ہے جس کے پاؤں زمین پر ایسے پڑتے تھے جیسے ڈھول پر تھاپ پڑتی ہے ۔

چیتر کی چاندنی میں گھاگھرا ایک مان جانے والی عورت کی طرح اُس کے سامنے بچھا ہوا تھا اور لشکتا تھا ۔

دور ڈوبو مٹّی سے پرے رُکھوں کے ذخیرے میں سے ایک عجیب آواز آتی تھی جیسے ڈھول پر تھاپ پڑتی ہو ۔ جیسے کچھ بولتا ہو جیسے بہت کچھ بولتا ہو ۔

کنک کے ہرے سِٹے کو مسلنے سے دانہ نکلتا تھا تو وہ پاروشنی کا موچتا تھا تو اُس میں سے دُکھ کا دانہ نکلتا تھا ۔۔۔ شائد یہ دانہ کچا تھا ، پکا نہ تھا اور اسی لئے وہ اُس رات پانیوں میں تیر نہ سکی اور اُس کے گلپھڑے کھلتے تھے اور بند ہوتے تھے پر سانس نہ لے سکتے تھے ۔۔۔ وہ سُوکھی رہی اور چلی گئی ۔

ورچن جانتا تھا کہ وہ سمرو کو جاتی ہے ۔

اُس نے اُس سمے جب چیتر کی چاندنی میں گھاگھرا ایک مان جانے والی عورت کی طرح اُس کے سامنے بچھا ہوا تھا اور لشکتا تھا پاروشنی کو اپنے آپ میں سے باہر کیا ۔۔۔ اُسے اپنے سے الگ کر کے رکھا اور خود پیچھے ہو کر بیٹھ گیا ۔۔۔ بس اتنا وقت تھا جو اُس کے لئے تھا ۔۔۔ سارے بندے ایک دوسرے کے لئے کچھ دن رات لے کے آتے ہیں بندھے بندھائے اور پکّے پیڈے ۔۔۔ اور یہ دن رات گذر جائیں تو باقی پھوک رہ جاتا ہے ، دھروا کے جُتّے کی طرح جو کابن کرنے سے خالی ہو جاتا ہے ۔ تو آپس میں میل ہمیش کے لئے نہیں ہوتے ۔۔۔ کچھ دن رات ہوتے ہیں اور وہ گذر گئے ۔۔۔ پاروشنی کے لئے جو دن رات تھے وہ گذر گئے ۔

پُورن کو اگر میں یہ بتاؤں کہ پاروشنی ایک بڑے پانی کی طرح آئی اور مُجھ سے دور بہتی ہوئی چلی گئی ۔۔۔ اور میں سوکھا رہا ۔۔۔ یا وہ سُوکھی رہی اور چلی گئی تو وہ کیا کہے ۔

ورچن کو مونجھ کی چھتیں ۔ نالیاں اور گلیاں یاد آئیں ۔

رُکھوں میں جیسے کوئی ڈھول پر تھاپ دیتا چلا جاتا تھا ۔

پاروشنی کا وہ کان جو اُس کے بازو پر رکھا تھا اور دبا ہوا تھا کچھ نہ سُنتا تھا پر دوسرے کان سے وہ دھمک دھیرے دھیرے اترتی تھی ۔

سمرو مُنہ پھیرے سوتا تھا پر وہ سنتی تھی ۔۔۔ رُکھوں میں اس سمے ہے کون ؟ ۔۔۔ مامن ماسا اور کون ۔۔۔ اور اُس نے یہ کیوں کہا تھا کہ اگر وہاں پانی نہ ہو اور گھاگھرا نہ ہو تو ۔۔۔ پانی کیوں نہ ہو اور گھاگھرا کیوں نہ ہو ۔۔۔ اور سمرو نہ ہو اور ورچن نہ ہو ۔۔۔ کیوں نہ ہو ۔۔۔ ورچن ، اُس کا سانس رُکا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی ۔ سمرو نے کروٹ بدلی اور زور زور سے خراٹے لینے لگا ۔ پانی نہ ہو اور گھاگھرا نہ ہو ۔۔۔ مامن ماسا ذرا سر میں کچارہ گیا ہے اس لئے یہ کہتا ہے اور اِسی لئے تو وہ رُکھوں میں ہے ۔۔۔ اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا دیا ۔۔۔ چیتر کی چاندنی تھی پر اُس کا گلا سُوکھتا تھا اور پانی مانگتا تھا ۔ وہ چپکے سے اٹھی اور پاؤں دیکھ دیکھ کر دھرتی کنویں کے قریب گئی وہاں اندھیرا تھا ۔ اُس نے منڈیر پر ہاتھ پھیرا تو اُس کا ہاتھ بوکے سے ٹکرایا اور وہ گم ہوا اور پھر چھپاک سے اُس کی آواز پانی کے اندر کنویں میں گرنے کی آئی ۔

"کیا ہے ؟" سمرو نیند میں بڑبڑایا ۔

"کچھ نہیں ۔۔۔" وہ اندر سے بولی "پانی کے لئے آئی ہوں"

اُس نے رسّی کو زور سے پکڑا اور بھرا ہوا بوکا اوپر کھینچنے لگی ۔

جیسے ڈھول پر تھاپ پڑے ایسے ادھر سے سفر کرتی ایک دھمک آتی تھی ۔ بوکا بھرا ہوا تھا ۔۔۔ دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر منہ کو لگایا تو پانی وراچھوں سے بہنے لگا اور اُس نے بازو اوپر کر کے پورا بوکا اپنے آپ پر ڈال لیا اور گیلی ہوئی ۔۔۔ چیتر کی رات میں وہ تھوڑی سی کپکپائی اور پھر سمرو کے ساتھ آلیٹی ۔

"تم بھیگتی کیوں ہو ۔۔۔" سمرو نے اُسے ٹٹولا اور کہا اور اونگھ گیا ۔

سمرو مجھے دیکھ کر بتا ۔ وہ بیل بُوٹے جو پچکلی نے میرے جُتّے پر الیکے تھے ویسے ہی ہیں یا پھیکے پڑ گئے ۔۔۔ اُس نے اگرچہ نام سمرو کا لیا پر کہا اپنے آپ سے آہستہ سے ، سرگوشی میں ۔۔۔ کہ وہ نہ سنے جس کا نام لیا تھا ۔

اُدھر رُکھوں میں دھمک تھی ۔

پاروشنی نے پھر کان لگا کر سنا کہ کون ہے ۔ اُنہی رُکھوں میں وہ دن تھے جب وہ گاگری اور وہ تینوں بھینسے کے پیچھے جاتے تھے اور چیختے تھے اور گاگری پیچھے رہ گئی تھی اور اب اُس کا پنجر وہیں گلتے سڑتے پتّوں میں بکھرتا تھا اور تب بھینسا اُس پر آیا تھا ۔۔۔ وہ کیسے آیا تھا اُسے یاد نہ تھا ۔۔۔ اُس نے کسی کو بتایا نہ تھا کہ ایسا ہوا تھا کیونکہ کوئی بھی مانتا نہ کہ ایسا ہوا تھا ۔۔۔ اور ایسا ہوا تھا ۔۔۔ پر اُس کی من مرضی سے نہیں زور آوری سے ۔۔۔ پر من مرضی سے نہ بھی ہو تو بھی

کہیں نہ کہیں مرضی کا ایک دانہ ہوتا ہے جو پکتا اور اُس میں سے رَس ٹپکتا ہے ۔۔۔ اور اُس روز ورچن آیا تھا ۔

ورچن ؟ ۔۔۔ اُس کا بیچ یوں دھڑکا جیسے دل دھڑکتا ہو ۔۔۔ اور گرم ہو کر گیلا ہوا ۔

"تو یہ کیا ہے ؟" پاروشنی نے سر جھٹکا ۔۔۔ کون کیا ہے ؟ ۔۔۔

ایک پاگل کُتا بھونکا ۔ اُن کتّوں میں سے ایک جو کسی خرگوش کے پیچھے رُکھوں سے نکل کر ریت میں نکل گیا اور ہوش خراب کر بیٹھا ۔

وہ اٹھی اور آنکھیں مل کر اپنے گھر سے باہر آئی ۔ باہر چیتر کی چاندنی میں بستی کی گلی چپ تھی اور ٹھہری ہوئی تھی ۔ دھمک ادھر کچھ اوپر ہو رہی تھی ۔

وہ جب بستی سے باہر ہوئی تو یکدم اپنے سائے سے ڈری کہ یہ کون ہے جو میرے ساتھ آتا ہے ۔ اور پھر اُس نے گھاگھرا کو دیکھا ، جو لیٹا ہوا تھا اور لشکتا تھا ۔

پانی نہ ہو ۔۔۔ گھاگھرا نہ ہو ۔۔۔

یہ تو میرے سامنے ہے ۔۔۔ یہاں سے وہاں تک جہاں تک میں دیکھوں ۔۔۔ بس یہی ہے اور کچھ نہیں ۔۔۔ اس کے پار کچھ نہیں اگر ہے تو مجھے چاہیئے نہیں ۔۔۔ سرکنڈے دریا کے روشن فرش پر جھکتے تھے ۔

"پاروشنی ۔۔۔"

وہ ٹھٹک گئی ۔

"کون ؟" وہ رکی ۔۔۔ کان لگا کر سُنا کہ وہم ہے یا سچ مچ کسی نے نام لیا ۔

"میں ادھر ہوں ۔۔۔"

اُدھر کنارے کے ساتھ وہ تھا ۔۔۔ سایہ تھا پر وہ جانتی تھی کہ وہ تھا ۔

گھاگھرا کا کنارا ریت تھا اور وہ ریت کچھ گرم ہوئی اور پھر ٹھنڈی ہو گئی ۔

ڈھول کی دھمک رکی اور چپ ہو گئی ۔

وہ دونوں اٹھے اور رُکھوں کی جانب بھاگنے لگے ۔

"وہ میل کو آیا تھا ۔۔۔" ماسا ایک رُکھ سے چھلانگ لگا کر دوسرے کی ٹہنی پر جا بیٹھا اور ہنسنے لگا ۔ ڈور گاؤ وہیں تھا جہاں وہ کھڑا تھا پر اب وہ کھڑا نہ تھا اپنی رَت میں رنگا گلتے سڑتے پتّوں پر پڑا تھا ۔

"می آؤں ۔ می آؤں" مور بولا ۔

چیتر بیتا اور وساکھ چڑھا تو جہاں رُکھ اور بُوٹے بڑھے اور پھوٹے یوں ڈورگا کا ادھڑا ہوا جُسّہ بھی جُڑنے لگا ۔

وہ اب پاروشنی کے چھپّر سے نکل کر ایک ڈانگ ٹیکتا آپو آپ گھاگھرا تک چلا جاتا اور سارا دن وہاں بیٹھا رہتا ۔

بستی کے وسنیک کھیت کھود چکے تھے اور اُن میں موٹے باجرے کا بیج ڈال کر اُسے مٹّی سے ڈھک چکے تھے ۔۔۔ پر اب وہ ایڑیاں اُٹھا اُٹھا کر بڑے پانی کے لئے دریا کو نہ دیکھتے تھے اوپر دیکھتے تھے آسمان کو کہ یہ کھیتی مینہ کی تھی ۔۔۔ اوپر سے بہہ کر آنے والے پانی کی نہیں پر اوپر سے گرنے والے پانی کی ۔۔۔ اور اس کے لئے وہ کھیتوں سے لوٹ کر اپنے چھپّروں کو پکّا کرنے لگے ۔ پکلی کے آوے کے آس پاس ٹیلوں پر بکھری ٹھیکریوں کو چُن کر اُنہیں گارے میں ملایا اور پھر یہ لیپ چھپّر کی چھت اور دیواروں پر کیا ۔۔۔ یہ بندوبست مینہ کے پانی کو اندر آنے سے روکتا تھا اور شروع سے چلا آتا تھا ۔ پانی کبھی اندر نہ آیا ۔

اُنہوں نے بندوبست تو کر لیا پر جس کے لئے کیا وہ نہ آیا ۔۔۔ کھیت کُھلے چھوڑے پانی کے لئے اور چھپّر لیپ پوچ لئے اُس سے بچاؤ کے لئے پر آسمان خالی رہا ۔

بستی والے اپنے چھپروں میں پڑے سانس اندر کو کھینچ کر سنبھالتے تھے اور اس سنبھال میں وہ باس ڈھونڈتے تھے جو سُوکھی مٹّی میں بند ہوتی ہے اور پانی کی پہلی بوند اُسے کھول دیتی ہے اور اُڑا دیتی ہے اور وہ اڑتی ہے اور سانسوں میں آکر بتاتی ہے کہ میں آگئی ہوں اور اب زمین اندر رکھا موٹے باجرے کا بیج سُوکھے گا نہیں میں اُس تک دھیرے دھیرے پہنچ جاؤں گی اور وہ پھوٹے گا ۔ پاروشنی نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا جو دریا میں پانی کم ہونے سے اُس کے بیچ کسی ٹاپو کی طرح اُبھرتا جاتا تھا ۔۔۔ اُسے فکر نہ تھی ۔۔۔ اُس کے اندر بہت پانی تھے ، سینچنے کے لئے، اُس بیج کو بوٹا بنانے کے لئے جو اُس کے اندر ٹھہر گیا تھا ۔۔۔ اور اُسے کہیں ماگھ پوہ میں آ

جانا تھا ۔

وہ بھی اپنا چھپّر لیپ چکی تھی ۔۔۔ سمرو ورچن کے لائے ہوئے پتھروں اور دھاتوں سے مہریں اور منکے وغیرہ ڈھالتا رہتا اور ورچن زمین پر اسوا کی شکل اُلیک کر اُسے بتاتا کہ میں نے یہ جنور دیکھا ہے جس پر وہ آتے ہیں اور تُو اِسے مُہروں پر بنا تاکہ لوگ جان جائیں کہ وہ کس پر آتے ہیں ۔ پر سمرو کہتا ۔ اس جنور کی چال ڈھال میری مت سے بہت باہر ہے اور یہ مجھ سے نہیں بنتا، تُو رہنے دے ۔۔۔ اور پھر ڈور گا اُس سے کہتا کہ سمرو تو کسی مہر پر اُس بھینسے کا جتہ کھود جس نے میرے جُتّے کو کھود ڈالا ہے ۔ میں جاؤں گا اور پھر میل کروں گا ۔ اس پر سب ہنستے اور نڈھال ہوتے کیونکہ ڈور گا آدھارہ گیا تھا اور ٹھوکریں ٹُھڈّے کھا کر مُشکل سے چلتا تھا ۔ بھینسے کے سینگوں نے اُس کے پیٹ میں گُھس کر اندر آگے پیچھے کر دیا تھا اور اتنی رَت نکالی تھی کہ جب سمرو اُدھر گھر سے آیا اور ادھر سے ورچن اور پاروشنی بھاگے تو وہ رُکھوں میں جیسے اپنی رَت میں تیرتا تھا ۔

پاروشنی اب ورچن اور سمرو کے پاس آتی تھی اور جاتی تھی ۔

وہ راتوں کو بہت جاگی اور اُس کی آنکھوں میں بے بسی کے بہت پانی آئے ۔ یُوں تو وہ کبھی نہ روئی تھی، کبھی کسی کے آگے بے بس نہ ہوئی پر ان دونوں بارے وہ کبھی ایک طرف نہ رہی اور تب وہ دونوں میں شانت ہوئی اور اُس نے ٹھہراؤ کیا کہ ایسا پہلے سے ہوتا آیا تھا کہ ایک عورت کے دو ہوں اور وہ دونوں میں رہے ۔۔۔ تو پاروشنی اب دونوں میں رہتی تھی اور وہ دونوں بھی اُس میں آتے تھے ۔

پاروشنی کے چھپّر تلے اُن دو کے سوا ڈور گا بھی تھا ۔

ڈور گا کون ہے ؟ وہ ورچن کے پیچھے پیچھے آیا تھا موہنجو سے ۔۔۔ اور جب سب نے پُوچھا کہ یہ کون ہے تو ورچن بولا تھا کہ یہیں کا باسی ہے، کہیں گیا ہوا تھا اور اب واپس آگیا ہے ۔ اس کے بعد وہ وہیں کا ہو گیا اور کبھی کسی نے نہ پُوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے ۔ اُس کی بولی ذرا وکھری تھی پر وہ بولتا بہت کم تھا ۔۔۔ وہ کہتا تھا کہ میں جہاں تھا وہاں ہم نرا جُھکتے تھے بولتے نہیں تھے اور یہ بات اچنبھے کی تھی کہ وہ جُھکا ہوا تھا جیسے تیز ہوا میں دریا کنارے کے سروٹ جھکتے ہیں ۔ جُھکتے ہیں پر لگتا ہے کہ سیدھے ہونا چاہتے ہیں اور ہو نہیں پاتے اور یوں ڈور گا بھی لگتا تھا ۔

جب وہ اپنی رَت میں تیرتا تھا اور وہ اُسے دیکھتے بھالتے رُکھوں میں پہنچے تھے تب اُسے وہ

دیکھا ہوا لگتا تھا ۔۔۔ وہ اوپرا نہیں تھا اپنا تھا پر کون تھا ۔۔۔ دیکھا ہوا تھا پر کہاں ۔۔۔ وہ رَت میں پڑا کراہتا تھا ۔ اور پاروشنی نے جُھک کر اپنا کان اُس کے زخمی ہونٹوں پر رکھا تھا تو وہ کہتا تھا کہ میں پھر آؤں گا ۔۔۔ اور ورچن نے پوچھا تھا کہ ڈور گا یہ تو کسے کہتا ہے کہ میں پھر آؤں گا پر وہ بول نہ پایا اور آنکھیں موند لیں ۔۔۔ لیکن اُس وقت رُکھوں کے اندر کوئی موجودگی تھی جو خالی ہوئی تھی اور اُس کی باس ابھی وہاں ٹھہری ہوئی تھی اور صرف پاروشنی جانتی تھی کہ ڈور گا کو اِس حال میں کس نے کیا ۔ وُہ اُس کے جُتّے کی بُو پہچانتی تھی، اچھی طرح جانتی تھی کہ اُس نے اُسے اتنے قریب سے جانا تھا کہ کوئی گمان نہیں کر سکتا تھا ۔۔۔ پھر اُس نے ورچن کو بتایا کہ وہ کون ہے جس نے ڈور گا کا یہ حال کیا اور تب ورچن نے پاروشنی کو دیکھا اور اُس دیکھنے میں کچھ تھا جو پاروشنی کو بے چین کرتا تھا جیسے ورچن جانتا ہو کہ وہاں جب وہ موہنجو سے لوٹتا تھا تو پاروشنی یہیں کہیں آس پاس گلتے سڑتے پتّوں پر پڑی ہوئی تھی تو تب ۔۔۔ وہاں بھی ایک موجودگی تھی جو خالی ہوئی تھی اور ایک باس ابھی ٹھہری ہوئی تھی اور وہ سارا کچھ اب بھی تھا ۔۔۔ وہ اُسے اپنے چھپّر میں اُٹھا لائے ۔

چیتر کے بعد وساکھ چڑھا تو ڈور گا کا اُدھڑا ہوا جُسّہ جُڑنے لگا ۔۔۔ بستی والے کھیت کھود چکے تھے ۔۔۔ اور اُوپر آسمان کو دیکھتے تھے ۔

یہ کئی بار ہوا کہ رات کے کسی پہر ڈور گا ہڑبڑا کر اُٹھا اور کہنے لگا ۔۔۔ سُنو ۔۔۔ سُنو اور اُن تینوں نے کان لگا کر چاروں اَور سُنا لیکن وہاں سُننے کو کچھ بھی نہ تھا ۔۔۔ پر ڈور گا کہتا کہ سُنو ۔۔۔ یہ بہت بار ہوا اور اُنہوں نے جان لیا کہ ڈور گا کے جُتّے میں اُس کے سینگوں سے زہر اُترا ہے جو اُس کے بھیجے میں رینگتا ہے اس لئے وہ کچھ سُنتا ہے پر وہاں کچھ ہے نہیں ۔۔۔

اُنہوں نے چھپری کی جھاڑی کو جلا کر اُس کی راکھ ڈور گا کے پَھٹ پر باندھی اور اُسے بھوکڑ کا ماس کھلایا ۔۔۔ گاگری کے بعد اب پکلی یہ کام کرتی تھی اور یُوں بھی وہ ڈور گا کو دیکھ کر نرم پڑتی تھی ۔ کبھی کبھار سویرے یُوں لگتا کہ روشنائی کم ہے اور اس لئے کم ہے کہ چڑھتے سُورج کے سامنے کچھ بدلیاں تھیں جو اُس کی کرنوں کو اپنے میں سموتی تھیں اور تب وہ اندر ہی اندر آس لگاتے کہ آج آسمان گہرا ہو گا اور ڈھک جائے گا اور شام تک اس میں سے پانی برسنے لگے گا ۔۔۔ پر ایسا نہ ہوتا ۔۔۔ سُورج آسمان کو اپنی تیزی سے خالی کر دیتا اور وہ خالی رہتا ۔

پاروشنی نے ایک شام اپنے کنویں میں بوکا پھینکا تو اُسے لگا کہ پانی تھوڑا سا نیچے ہے ۔۔۔ جیسے سمرو کو لگا تھا پر ایسا کہاں ہوتا ہے ۔ پانی تو وہیں پر ہو گا لیکن لگتا تھا کہ نہیں ہے ۔ پانی

ہمیشہ اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کہ وُہ ہوتا ہے ۔

پاروشنی کا پیٹ اب زیادہ دکھائی دیتا تھا پر وہ سارے چھپروں کے گھڑے اور مَٹ اب بھی سویرے سویرے بھرتی تھی ۔

ایک روز ڈورگا نے جانا کہ آلکس اُسے نکما کرنے کو ہے اور اُس کا جُسّہ ڈھیلا پڑتا ہے تو وہ اپنے تھڑے سے اُٹھا اور چھپر سے باہر گلی میں آگیا ۔ وہ جانتا تھا کہ سبھی اپنے چھپروں میں پڑے اونگھتے ہیں اور پانی برسنے کی آواز کو سننے کے لئے کان لگاتے ہیں ۔۔۔ سوائے اُن کے جو ہاتھ سے چیزیں بناتے تھے وہ اپنے کام میں مگن تھے ۔۔۔ سارے میں ایک چپ تھی پر اُدھر گھاگھرا کے اُوپر پانی کا کوئی پکھیرو ایسے چیختا تھا جیسے تیز ہوا سروٹوں میں سے گذرے تو وہ سیٹیاں بجاتے ہیں ۔

سمرو اُس آگ پر جھکا تھا جس میں اُس کی بنائی ہوئی مُہریں پک رہی تھیں اور اُس کا پسینہ جو گرتا تھا تو آگ شِی شِی بولتی تھی جیسے چُپ رہنے کو کہتی ہو ۔۔۔ اور جب اُس نے سانس لینے کو سر اٹھایا تو ڈورگا جا رہا تھا ۔۔۔ سمرو پھر آگ پر جھکا اور اُن چوکور مُہروں کو دیکھنے لگا جو اُسی میں پکتی تھیں ۔ اِن مہروں کے سارے مہاندرے وہی تھے جو چلے آتے تھے ۔۔۔ ہمیش سے ۔۔۔ پر ایک مہر پر اُس نے اسوا بنا لیا تھا ۔۔۔ اب جو اُس پر بیٹھ کر آئے تھے اُنہیں آئے ہوئے برس ہا برس ہو چکے تھے اور اب سنتے تھے کہ وہ ایک بار پھر اپنے اس جنور پر بیٹھ کر نیچے کسی اور طرف جاتے تھے جہاں پر سبزہ بہت تھا اور پانی بہت تھا ۔۔۔ ادھر یہ دونوں کم ہو رہے تھے ۔

ڈورگا، لنگ کے ٹیلے کے پاس ہوا تو اُس کے دل میں وہی خوف آیا جو کبھی موہنجو میں آتا تھا پر اتنا نہیں کچھ تھوڑا ۔۔۔ اور یہ خوف بھی آیا اور چلا گیا ۔۔۔ وہ چلتا رہا اور پھر اُس کے ایک بازو کی طرف وہ اونچا ڈھیر تھا جس کے کنارے سروٹ چپ کھڑے تھے اور اُن سے پرے نیچے گھاگھرا بہتا تھا اور دوسرے بازو پر ایک خشک میدان تھا جو دور تک جاتا تھا اور دُوری میں کہیں پکلی کے آوے کا دھواں اٹھتا تھا ۔۔۔ آوے سے پرے کھیت تھے جن کی مٹی میں باجرے کے دانے پڑے سوکھتے تھے پر پھوٹتے نہ تھے اور اُن سے پرے ڈوبو مٹّی اور اُس کے ساتھ رُکھوں کا ذخیرہ ۔۔۔ اور وہاں ۔۔۔ وہاں ۔۔۔ ڈورگا کان لگانے کے لئے رُکا اور سُنا ۔۔۔ وہ کچھ نہیں کہہ رہا تھا ، خاموشی تھی ۔۔۔ اُس نے اپنے جُتّے پر ہاتھ پھیرا تو وہ جُڑ چکا تھا اور دبانے سے بھی اُس میں سے ٹیس نہیں اُٹھتی تھی ۔۔۔ پکلی کے آوے کا دھواں آسمان میں

بہت دور تک سیدھا اٹھتا جاتا تھا ، اُسے بکھیرنے کو ہوا نہ تھی ۔۔۔ وہ گھاگھرا سے ہٹ کر اُدھر کو ہوگیا ۔

اُدھر پنڈو اور شکرا آوے کی آگ میں لکڑی جھونکتے تھے ۔ گیرو اندر چھپّر میں سوتا تھا اور پکلی چاک میں بیٹھی اپنی ٹانگوں ۔ سے اُ سے قابو میں رکھے پاؤں میں گھماتی تھی اور چاک پر گھومتی ایک جھجھر اُس کی اُنگلیوں کے دباؤ سے کہیں سے پھیلتی تھی اور کہیں سے سکڑتی تھی ۔۔۔ جھجھر کی گردن کو لمبا کرنے کے لئے وہ اُسے زیادہ دیر تک اُنگلیوں میں دبوچے رہتی ۔۔۔ گردن لمبی ہوتی جاتی پر مٹّی میں زیادہ لچک نہ تھی اور وہ ٹوٹ کر اُس کے ہاتھوں میں آجاتی ۔۔۔ اور تب وہ اُس کی مٹّی کو پھینک کر دوبارہ چاک گھمانے لگتی ۔ ڈورگا اُسے بہت دیر کام میں جُتے ہوئے دیکھتا رہا پر اُس نے اوپر نہ دیکھا ۔ پنڈو اور شکرا دیکھ چکے تھے کہ کوئی ادھر گھاگھرا کی طرف سے آیا ہے اور اُن کی ماتی کو دیکھتا ہے ۔

وہ پکلی کے لئے نہیں آیا تھا ۔۔۔ وہاں گھاگھرا کے پاس اُس کی ناک نے اُسے بتایا تھا کہ ادھر گیلی مٹّی ہے اور اُس کی باس نے اُسے بتایا تھا کہ یہ وہی ہے جو موہنجو میں تھی ۔۔۔ اور وہ اُس باس کے پیچھے ادھر کو آیا تھا اور اب پکلی کو دیکھ رہا تھا ۔۔۔ وہ مٹّی اُسے پاس بلاتی تھی ۔۔۔ وہ اس مٹّی میں تو پیدا ہوا تھا ۔۔۔ یہ اس کے ساتھ جھجھریں بناتی تھی اور وہ اس کے ساتھ اینٹیں بنالیتا تھا ۔ ہونا تو یہ چاہئیے تھا کہ اُسے مٹّی بھلی نہ لگتی پر ایسا نہ ہوا ۔ اِس مٹّی نے اُسے بے شک چاکر بنائے رکھا ، جنور کر دیا پر وہ اس پر تھوک نہ سکا ہمیش اس کی طرف آیا ۔۔۔ اب اس میں مٹّی کا کیا دوش تھا؟ ۔۔۔ چاہو تو کسی کو جُھکا کر اور اُسے مار کر اس سے اینٹ بنوالو اور چاہو تو ایسی جھجھری خود بنالو جو پکلی کی ہتھیلیوں کی گولائی میں گھومتی تھی اور وہ اپنی ہتھیلیاں ایسے رکھتی تھی جیسے اُن کے بیچ آگ جل رہی ہو اور وہ اُسے تاپتی ہو ۔ اُس نے ڈورگا کو دیکھا تو چاک روک دیا ۔ پنڈو اور شکرا پہلے ہی اُسے دیکھ رہے تھے اُنہوں نے چاک رکتے دیکھا تو اُٹھے اور ڈورگا کے پاس آکر اُسے دیکھنے لگے اور ہنسنے لگے ۔

"آوے کو تمہارا ابا وا گرم کرے گا ۔۔۔" پکلی نے زمین پر تھوک کر مٹّی کے اُس تھوبے کو اٹھایا جو جھجھر کی گردن لمبی کرنے کے جتن میں پھر ٹوٹا تھا اور اُسے بچّوں کی طرف پھینکا "چلو بھاگو" ۔ ڈورگا آگے ہوا اور بچّوں کے سروں پر ہاتھ پھیرا "انہیں آوے سے دُور رکھا کرو ۔"

"اچھا؟" وہ مسکرائی ، ڈورگا تو جانتا نہ تھا پر پکلی کا ایک اور دانت کم ہو چکا تھا اور اب وہ مسکراتی ہوئی بھلی نہ لگتی تھی "گیرو ادھر پڑا رہتا ہے تو سارے کام میں نہیں سنبھال

سکتی ۔۔۔ آوا کون گرم کرے گا ۔۔۔ میں ادھر برتن بھانڈے بنا لیتی ہوں اور یہ آوا تیار کر لیتے ہیں ۔۔۔ چلو جاؤ" اُس نے گیلی مٹّی کا ایک اور تھوبہ اُن کی طرف پھینکا پر وہ ڈورگا کو جا لگا ۔۔۔ مٹّی ڈورگا کے جُتّے کو لگی تو وہ کانپا ۔۔۔ وہ اسی مٹّی میں پیدا ہوا تھا ۔۔۔ تھوبہ اُس کے پیٹ پر لگا رہا پھر ڈھیلا ہو کر گر پڑا ۔۔۔ ڈورگا نے اُسے اٹھا کر سونگھا ! ہاں یہی تھی جو موہنجو میں تھی ۔۔۔ وہ پکّی سے پرے ہو کر آوے کے پاس گیا ۔ آگ ابھی دھویں میں تھی ۔ وہ بیٹھ گیا اور سوکھی ٹہنیاں توڑ توڑ کر آوے میں ڈالنے لگا ۔ اندر برتنوں کی پال لگ چکی تھی ۔ اس میں تو گرمی ہی نہیں تھی بلکہ ٹھنڈک تھی ۔ وہ تو ہزاروں برس تک اس آوے کے سامنے جھلسا تھا اور پگھلا تھا اور اتنا پگھلا تھا کہ اُس کا مہاندرہ بدل گیا تھا ۔۔۔ پر اب فرق تھا ۔ جب مٹّی لادی جائے تو فرق ہوتا ہے اور جب مٹّی خود اٹھائی جائے تو فرق ہوتا ہے اور جب آوے کے اندر جھونک دیا جائے ساری حیاتی کے لئے تو وہ کچھ اور ہوتا ہے اور جب بندہ اپنی من مرضی سے اُس کے سامنے بیٹھ جائے تو وہ کچھ اور ہوتا ہے ۔

ڈورگا اپنی من مرضی سے آوے کے سامنے بیٹھا تھا ۔

اُنہوں نے کھیت کُھلے چھوڑے پانی کے لئے اور چھپر لیپ پوچ لئے اُس سے بچاؤ کے لئے ۔۔۔ پر آسمان خالی رہا ۔

آسمان خالی تھا تو اُس میں سے گرتا کیا اور اگر سُوکھی مٹّی میں دبے باجرے اور تِل پر کچھ گرے نہ اُسے گیلا نہ کرے تو وہ پھوٹے کیا ۔۔۔ ماتی کے وانگو ، چندرو جھوریا سُوکھے کھیت میں لیٹے رہتے اور آسمان کو تکتے رہتے جیسے اُن کے تکنے سے وہاں گہر ہوگی اور بادل بنیں گے ۔ اُدھر دُھروا کی داڑھی کے بالوں کا گُچھا ہوا سے اُڑتا تو وہ اُسے اپنی ٹھوڑی کے ساتھ پہلے کی طرح چپکانے کی کوشش بالکل نہ کرتا بلکہ گم سُم بیٹھا رہتا ۔ وہ اب سوتے میں یم کتوں کو دیکھنا بھی بھول گیا تھا ۔۔۔ پہلے کی طرح بستی والے چارے کے گٹھے دیوار کے ساتھ جوڑ جاتے اور وہ اُنہیں ایک ایک کر کے اٹھاتا اور اندر باڑے میں لے جاتا جہاں زیبو بیل اپنی مست آنکھیں جھپکا جھپکا کر اپنی خوشی یا اداسی کا اظہار کرتے ۔۔۔ پر اب دُھروا بڑبڑاتا رہتا ۔ اُسے بھی پانی نہ برسنے کا دکھ تھا ۔ یہ تو نہیں کہ پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا ۔۔۔ ایک دو بار ایسا ہوا تھا کہ بستی کے لوگ کدال اور کسّی چلا چلا کر تھک گئے اور پھر مینہ نہ برسا پر اب کی بار دُھروا کے اندر کچھ بولتا تھا اور کہتا تھا کہ دُھروا یہ تیرے لئے ہو رہا ہے ۔ آسمان خالی ہے تو یوں کہ تو جان لے کہ اب تُو جائے گا اور اسی لیے یَم کُتّے تو خواب میں نہیں دیکھتا ! سچ مچ جو دیکھے گا ۔ دُھروا دریا پار جانے سے نہیں ڈرتا تھا ۔ اُس نے بڑا کچھ دیکھ لیا تھا ! کر لیا تھا اور اب تو وہ گھاس پھونس اور سروٹ ہو گیا تھا ، کسی نہ کام کا نہ کاج کا ، چارے کے اُس گٹھے جیسا جس پر بیل منہ چلانے کو تھا ۔

پار روشنی کے اندر تو بِل جُل تھی ، دریا کے بیچ ٹیلا اونچا ہوتا جاتا تھا ۔۔ جب سے اُس نے آنکھ کھولی تھی اور آس پاس دیکھا تھا تب سے تو ایسا نہیں ہوا تھا کہ باجرے کی فصل کے لئے مینہ نہ اُترے ۔۔۔ وہ چھپّر تلے سیدھی لیٹی رہتی اور اُس کے کان باہر گلی کی چُپ دھول پر لگے رہتے کہ ابھی اس پر کوئی آواز گم ہوگی ۔ ایک ۔۔۔ دو تین اور پھر بے اَنت ٹِپ ٹِپ ۔۔۔ پر ایسا ہونے سے پہلے تو پورب کی ہوا ٹھنڈی ہوتی تھی اور چھپّر تلے لیٹے بھی پتہ چل جاتا تھا کہ اب دھیرے دھیرے روشنائی کم ہوگی اور ٹھنڈک والا اندھیرا گہرا ہوگا اور پھر پسینہ آئے گا ، گُما ہوگا

رُکھوں کے اندر والا ۔۔۔ اور پھر ٹپ پہلی اور دوسری اور بے انت ۔۔۔ پر اس بار پتہ نہیں کیا ہوا ۔۔۔ اور اُس کے اندر کس کی ہِل جُل تھی ۔۔۔ کون ٹھہرا تھا اُس کے اندر ۔۔۔ ورچن یا سمرو ؟ وہ نہیں جانتی تھی اور نہ اُسے پروا تھی ہاں بعد میں مہاندرہ دیکھ کر ٹیوا لگ سکتا تھا کہ ناک یوں ہے تو ورچن ہوگا اور آنکھیں ایسی ہیں تو سمرو جیسی ہیں ۔۔۔ پر ابھی تک ہاڑ جانا تھا اور اس نے پوہ ماگھ تک اپنا آپ بنانا تھا اور پھر باہر آنا تھا ۔

ڈور گا اب اُدھر ہی تھا ، پکلی کے چھپر تلے ۔۔۔ گیرو نے پہلے پہل اُس سے بات نہ کی پر پھر اُس نے دیکھا کہ جو کام اُس کے کرنے کا تھا وہ کر دیتا ہے ، موہنجو سے آیا ہوا کاما جو تھوڑا جُھکا ہوا تھا پر جنور کی طرح آوے میں لکڑی جھونکتا تھا ، مٹی گوندھتا تھا ، چھپّر کو لیپتا پوچتا تھا ۔۔۔ بس یہ تھا کہ وہ لکڑی لینے کو رُکھوں کے اندر نہیں جاتا ۔ ادھر کان لگاتے کچھ سنتا تھا پر ادھر جاتا نہیں تھا ۔

ڈور گا بھی اوپر دیکھتا ! وہ یوں تو اُن میں سے نہیں تھا پر ہوتا جاتا تھا ۔ وہ جب اوپر دیکھتے تو وہ بھی دیکھتا ، جو دُکھ اُن کو ہوتا وہ اسے بھی ہوتا ۔۔۔ پہلے صرف ورچن تھا جو نہ ہوتا تو ڈور گا یہاں نہ ہوتا ۔ اُدھر کہیں مر کھپ گیا ہوتا یا جنوروں اور بھوک سے اتنا ستایا جاتا کہ بھٹے کی چار دیواری کو واپس ہو جاتا ۔ اب یہ کہ بستی کے سارے وسنیک اُسے ورچن ایسے لگنے لگے تھے ۔۔۔ وہ اَنگ ساک جو عام لوگوں کے تو ہوتے ہیں پر جنوروں اور کاموں کے نہیں ہوتے وہ اب اُس کے بھی ہونے لگے تھے ۔ تو وہ بھی اوپر دیکھتا تھا اور آسمان خالی دیکھ کر اُس کے اندر ہُوک اُٹھتی تھی کہ یہ کیوں خالی ہے ۔

پکلی کے دانت کم ہو رہے تھے پر اُس کے ہونٹ اُس کے قابو میں نہیں آتے تھے ۔ وہ مسکراتی تھی کہ آخر کو اُسے بھی ایک ایسا مرد ملا جو اُسے دن کو بھی اور رات کو بھی سکھی رکھتا تھا ۔ آسمان خالی رہنے کا سب سے تھوڑا دکھ پکلی کو تھا ، اُس کے برتن بھانڈے جو سوکھتے تھے ۔ می آؤں ۔ می آؤں کرتا مور اب اتنی اونچی آواز میں بولتا جیسے وہ رُکھوں کو چھوڑ کر بستی میں آ نکلا ہے ۔

ورچن ایک بار پھر بستی چھوڑنا چاہتا تھا ۔۔۔ ہم کوئی رُکھ ہیں کہ ایک جگہ پر جمے رہیں ، کچھو ہیں کہ دریا میں سے رینگ کر کنارے کے سروٹوں میں اور پھر واپس دریا میں ۔۔۔ اور وہ ہری یوپیا کو جانا چاہتا تھا ۔ پچھلی بار ایسا ہوا کہ ادھر ایک اتنا بڑا پانی آگیا کہ سارا ہری یوپیا کئی روز تک اُس میں ڈوبا رہا اور جب پانی اُترے تو وہاں کے باسی گلیوں سے کیچڑ اٹھانے میں جُت گئے ۔

جن کے کچے گھر تھے وہ تو سارے کے سارے بہہ گئے پر ہری یوپیا کے زیادہ لوگ پکی اینٹوں میں رہتے تھے اس لئے اُن کا بچاؤ ہو گیا ۔ سوائے اس کے کہ پانی اُن کے اندروں میں آیا اور ریت اور مٹّی چھوڑ گیا ۔۔۔ بس یہی وہ دن تھے جب ورچن ادھر گیا تھا اور پھر بڑے پانی کی دَس پار کر چالیس کوس پرے سے ہی موہنجو کو چلا گیا ۔ وہ موہنجو کے پاس چنو ڈورو بھی جانا چاہتا تھا ۔۔۔ پر ابھی نہیں ۔۔۔ ابھی وہ اُسے دیکھنا چاہتا تھا جو پارو شنی میں تھا ۔۔۔ اور دیکھنا چاہتا تھا اُس کی ناک اُس جیسی ہے یا سمرو ایسی ۔۔۔ اُس نے پکلی کو کہہ رکھا تھا کہ تو اُس کے لئے بندر اور بیل گڈ بنا اور پکا کہ وہ آنے کو ہے ۔

اور ۔۔۔ سمرو بھی یہی دیکھنا چاہتا تھا ۔

رُکھوں کے اندر جو پتّوں بُوٹوں کی نمی تھی وہ بھی سوکھ گئی تھی اور ماسا زبان باہر نکالے ہانپتا تھا ۔ لِنگ چڑھاووں میں دبا رہتا ۔۔۔ لوگ بھکشو سے کہتے تو پانی کی زبان جانتا ہے اُس سے بات کر سکتا ہے تو بات کر ۔

چیوا کے اندر پہلے شک ہی شک تھا اور پھر وہ اُکا خالی ہو گیا ۔۔۔ وہ پہلے ہی بستی سے باہر اپنے چھپر میں تھا اور الگ تھلگ تھا پر اب اُسے کوئی نہ دیکھتا ۔ اُس کی بھیڑ بکریوں کو شائد اُس کے ساتھ کوئی اُنس تھا جو اسے چھوڑ کر نہیں گئیں ۔ اس کے چھپر کے آس پاس ہی رہتیں ۔ پر وہ ان سے بھی الگ ہو گیا تھا ۔۔۔ جس روز ورچن موہنجو سے لوٹا تھا بس اُسی روز سویرے گاگری اُس کے پاس آئی تھی ۔ اُسی روز ۔۔۔ "دیکھ چیوا ۔۔۔" وہ بولی تھی "وہاں بستی سے پرے جہاں مٹّی کے قبرستان زمین میں ہیں اور اُن میں وہ ہیں جو ہمار انگ ساک تھے وہاں ایک پتھر ہے جو میرا انگ تھا اور تم میں رہتا تھا ۔۔۔"

اور چیوا نے کہا تھا "تو آج تک تو بولی نہیں ۔ مجھے پتہ تھا کہ تم ادھر جاتی ہو اور اُس پتھر کو اپنے نیروں سے گیلا کرتی ہو پر تم نے آج تک اپنے منہ سے کوئی بات نہیں کی تو اب کیا ہوا ہے ۔۔۔"

"پتہ نہیں ۔۔۔" وہ بولی تھی "اب کیا ہوا ہے ۔ پر میں آج پارو شنی اور ماتی کے تینوں کے ساتھ رُکھوں میں جا رہی ہوں بھینسے کے پیچھے ۔۔۔ اور آج مجھے وہ یاد آتا ہے"

شام کو ورچن برسوں بعد بستی میں لوٹا تو وہ گاگری کو اٹھائے ہوئے تھا ۔ اور پھر اُس پتھر کے ساتھ میں اُس کا مرتبان بھی دبا دیا گیا تھا ۔۔۔ اب وہ دونوں وہاں تھے اور چیوا یہاں ۔۔۔ چیوا نے گاگری بارے کبھی اتنا نہ سوچا تھا کہ وہ بھار بن جائے ۔ وہ آتی تھی اور اپنے

آپ کو شانت کروا کے چلی جاتی تھی ۔ بس اُن کا اتنا ہی میل تھا ۔۔۔ میل تو بس اتنا ہی تھا پر اُس کے چلے جانے سے چیوا گم ہو گیا تھا ۔۔۔ وہ چھپّر سے اگر باہر آتا تو اُس کے ساتھ ٹیک لگا کر ڈوبو مٹّی کے ساتھ پھیلے ہوئے رُکھوں کو دیکھتا رہتا ۔۔۔ اور اِن رُکھوں میں ماسا تھا ۔

اور ایک روز وہ بھی رُکھوں میں چلا گیا ۔

"مامن ماسا ۔۔۔" اُس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر یہاں وہاں ۔۔۔ ہر جگہ ۔۔۔ کھڑے ہو کر ۔۔۔ بیٹھ کر ۔۔۔ جُھک کر اُسے پکارا اور آخر کار ماسا ایک رُکھ پر سے اُس کے اوپر آ گرا اور اُس کی گردن کا منکا ٹوٹتے ٹوٹتے بچا ۔

"اب تم یہاں بھی آ جاتے ہو ۔۔۔ یہاں بھی آ جاتے ہو" ماسا دانت نکوس کو بولا "میں اُدھر آتا ہوں ؟ نہیں تو تم کیوں آ جاتے ہو ؟"

ماسا کے تن پر کوئی لِیڑا نہ تھا ۔ اُس کی سیاہ چمڑی اب جُھرّیوں کی پیاسی اور سُوکھی زمین تھی ، کٹی پھٹی اور گھاؤ والی ، دانت ہونٹوں کے قابو میں نہ رہے تھے اور اُس کی کھوپڑی کا ماس ڈھیلا پڑ گیا تھا ۔

"تمہیں پتہ ہے مامن کہ میرے سر میں رَت یوں دوڑتی تھی کہ کسی کے سر میں کیا دوڑے گی ۔ میں اپنے چھپّر تلے الگ تھلگ اور شانت تھا اور میرے سر میں میری اپنی بستی تھی جس میں مَیں رہتا تھا ۔۔۔ تو مامن پھر مجھے کچھ ہوا" ۔

"مجھے پتہ ہے ۔۔۔" مامن ہی ہی کر کے ایک بڑی ہنسی ہنسا "مجھے پتہ ہے"

"تمہیں پتہ ہے کہ کیا ہوا ۔۔۔"

"ہاں ۔۔۔ میں نے اوپر سے رُکھوں میں بیٹھے ہوئے اُنہیں دیکھا تھا ۔ اُن پانچوں کو جو اُس کے پیچھے جاتے تھے ۔ تمہیں پتہ ہے ناں کس کے پیچھے جاتے تھے ۔۔۔ جس کے میل کو ڈور گا آیا تھا پر رَت میں بھیگ کر چلا گیا ۔ اُسے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ وہ نانکو ہے ۔ ہمارا پالن ہار ہے ۔ اور وہ پانچوں اُس کے پیچھے بھاگتے تھے ۔۔۔" ماسا یکدم چپ ہوا اور اتنے زور زور سے سر کھجانے لگا کہ اُس کی سیاہ کھوپڑی میں سُرخ جھریٹیں پڑ گئیں ۔

"نہیں کرو مامن ۔۔۔" چیوا نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا

"اچھا ؟" ماسا رُک گیا "نہیں کرتا ۔ تم کہتے ہو تو نہیں کرتا ۔۔۔ پر سواد آتا ہے اس طرح کھجلی کرنے سے ۔۔۔"

"تو پھر کیا ہوا مامن ؟"

"کس کو ؟" ماسا آنکھیں میچے اُس سُورج کو دیکھتا تھا جو رُکھوں کے بیچ لشکتا تھا ۔

"کاگری کو ۔۔۔"

"ہاں ۔۔۔ وہ گیلے سڑتے پتّوں پر اوندھی پڑی تھی اور سوچتی تھی کہ شائد مجھے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے ۔ میرے پیچھے وہ آتے ہیں ۔ میں راستے میں ہوں اور وہ دیکھ لیں گے پر اُنہوں نے نہ دیکھا اور وہ پاس سے چلے گئے ۔ اُس کی گردن سے پیٹھ کو ملانے والے منکے ٹوٹ گئے تھے اور وہ بس سوچ سکتی تھی پر وہاں سے ہِل نہیں سکتی تھی اور پھر اُس کی کنڈ پر ایک مکوڑا چلتا تھا ۔۔۔ میں نے دیکھا تھا"

"تو پھر تم نے اُسے اٹھایا کیوں نہیں مامن ؟"

"میں کیوں اٹھاتا ۔ کیوں اٹھاتا ۔۔۔" ماسا نے اپنی انگلیاں سیدھی کیں ، اپنی ٹیڑھی میڑھی انگلیاں جن کے ساتھ ناخن لٹکتے تھے سیدھی کیں اور چیوا کی آنکھوں میں چبھو دیں اور پھر چیختا ہوا املی کے ایک گنجے رُکھ پر جا بیٹھا اور ہنسنے لگا ۔ چیوا نے درد کے زور سے آنکھوں کو بند رکھا اور اُن میں سے پانی بہتا رہا اور اُسے کچھ سجھائی نہ دیا ! صرف ماسا کی ہنسی سنائی دیتی رہی ۔ جب پانی اور درد کی لالی اُس کی آنکھوں سے دُور ہوئی تو اُس نے اوپر دیکھا جہاں ماسا اب بھی ہولے ہولے اپنے آپ کے ساتھ خاموشی سے ہنس رہا تھا ۔

"مامن ماسا ۔۔۔"

"چُپ ۔۔۔" ماسا نے اُسے ڈانٹا "چپ ۔۔۔ وہ کیوں آئی تھی رُکھوں میں ؟ میں اُسے کیوں اٹھاتا ۔۔۔ میں وہاں نہیں جاتا تو تم کیوں آجاتے ہو ۔۔۔ سُن چیوا ۔۔۔" ماسا کا مہاندرہ بولا "پاروشنی کہتی تھی کہ تو یہاں کیوں ہے اور میں نے پوچھا تھا تو وہاں کیوں ہے تو بولی وہاں گھاگھرا ہے ، پانی ہے تو میں نے کہا تھا کہ اگر گھاگھرا نہ ہو ، پانی نہ ہو تو ۔۔۔ میں اسی لئے ادھر آگیا ہوں ۔ اور جو آگیا وہ آگیا ۔۔۔" ماسا نے اپنی ٹیڑھی ٹانگوں کو پچکے پیٹ میں بھینچا اور ایک چھلانگ لگا کر دُوسرے رُکھ پر جا بیٹھا اور پھر وہاں سے تیسرے پر چلا گیا ۔ اُس نے وہاں سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو چیوا وہاں کھڑا تھا "جاتے کیوں نہیں ۔۔۔؟"

"میں بھی ادھر آگیا ہوں ۔۔۔" چیوا بولا ۔

"کدھر ؟" ماسا نے حیرت سے آنکھیں گھمائیں "کدھر کدھر ۔۔۔"

"یہاں رکھوں میں ۔ اب میں بھی واپس نہیں جاؤں گا" ۔

ماسا فوراً چپ ہو گیا ۔ اُس نے کان لگا کر اُن ساری آوازوں کو سنا جو رُکھوں میں تھیں ۔

پکھیرؤں کی اور پتّوں بُوٹوں کی اور اُن کی جو کبھی اِن رُکھوں میں سے گذرے تھے ۔۔۔ اور اُس کی جو کسی اندھیرے جُھنڈ میں بیٹھا تھا اور اُس کی آنکھیں لشکتی تھیں اور اُس کا سیاہ جُثہ اُس اندھیرے میں لَو دیتا تھا اور سارے میں اُس کی باس تھی جو بتاتی تھی کہ وہ وہاں ہے ۔۔۔ ماسا کان لگا کر سنتا رہا اور پھر دھیرے دھیرے نرم پاؤں سے رُکھ کے گنجے تنے پر چلتا ہوا نیچے اُترا اور چیوا کے پاس آکر کھڑا ہو گیا ۔ اُسی کی مہین بجھتی آنکھوں میں پانی تیرتا تھا اور وہ پانی اُس کی ہڑبوں میں گرتا تھا "جو آگیا وہ آگیا" اُس نے کہا اور چیوا کا ہاتھ پکڑ لیا ۔

اُن دونوں سے پرے اُن دونوں کو نہ جانتے ہوئے اُدھر سے ورچن بھی گذرا ۔ وہ رکھوں کے اندر اُس جگہ جاتا تھا جہاں پر اُس کے مائی باپ بوڑھے ہو کر مرنے کو آئے تھے اور وہ دونوں ایک کھوکھلے تنے میں گھس کر بیٹھ گئے تھے اور مر گئے تھے ۔ اور وہاں اب بھی اُن دونوں کے پنجر پڑے ہوئے تھے ۔ بستی میں کوئی نہ جانتا تھا ، رُکھوں میں صرف ماسا جانتا تھا اور ورچن چوری چھپ کر کبھی کبھی جب وہ دکھ میں ہوتا تو مائی کے پنجر کو اٹھا کر اُس کے ساتھ لپٹتا اور اُس کے دکھ کم ہوتے ۔

"جو آگیا وہ آگیا ۔۔۔" ماسا نے چیوا کا ہاتھ پکڑ لیا ۔

ساون بھادوں کا گُنا اُس کا پنڈا گھلاتا تھا اور وہ اپنا موٹا ہونٹ دانتوں تلے دابے زمین میں کنک کے دانے رکھتی تھی اور ہتھیلی سے مٹی سمیٹتی انہیں ڈھکتی تھی ۔ کھودی ہوئی مٹی پر ورچن کا پسینہ گُم ہو چکا تھا پر وہ اُس پر گرا تھا اور وہ ایک کسّی کے ساتھ زمین کو کھودتا جاتا تھا ۔ اُس سے پرے پاروشنی کنک کا تھیلا کاندھے سے لٹکائے زمین پر بیٹھی کسی موٹی بھوکڑ کی طرح ہِل ہِل کر آگے ہوتی تھی اور کھودی ہوئی زمین میں کنک کے دانے گراتی جاتی تھی ۔

وہ بہت دنوں سے جھیل کی طرف بھی نہیں گئے تھے اور جھیل سوکھتی تھی اور ہر دن اُسے کے چار چفیرے ایک سفید دائرہ بنتا تھا، جہاں کل پانی تھے وہاں سے اترے تو اب وہاں ایک دائرہ تھا کہ پانی یہاں ہوتے تھے ۔ وہ بہت دنوں سے ادھر نہیں گئی تھی ۔ اُدھر جہاں پرندے مرنے کو آجاتے تھے ۔۔۔ اُن کی ہڈیوں کا وہ ڈھیر اب اور اونچا ہو گیا ہو گا ۔۔۔ پاروشنی بیج رکھتے ہوئے سوچ رہی تھی ۔

ورچن نے اُسے مگن دیکھا ۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا ۔ اُسے جاننے کی لگن تھی کہ اُس کے اندر کس کا ناک نقشہ بنا ہے جو باہر آئے گا پر وہ چُپ زمین کھودتا رہا ۔

آسمان ابھی خالی تھا پر اس نے اب تو بھرنا تھا اور بھرنا تھا پورے کا پورا ۔۔۔ وساکھ میں تو سارا سوکھا رہا پر ہاڑ میں کچھ مینہ آیا تھا پر ذرا چھدرا اور ہولا ۔۔۔ اور اب ہر برس کی طرح وہ سب اپنی زمینیں کھودتے تھے ، ان میں بیج رکھتے تھے اور کھیتوں کے گرد پچھلے برس کی کچّی منڈیروں کو لیپتے تھے تاکہ جب بڑے پانی آئیں تو آکر نکل نہ جائیں بلکہ کھیت کے اندر کچھ دن ٹھہریں اور مٹی میں جذب ہو جائیں ۔۔۔ وساکھ کے سوکھے کی بنا پر اس بار اناج کم پڑنا تھا ۔۔۔ یوں تو دریا میں بھی مچھلی کا اناج تھا پر سارا وقت ماس کون کھاتا ہے ۔ پاروشنی پسینے میں تھی اور گرمی سے ہونک رہی تھی اور اُس کا حال اچھا نہ تھا ۔۔۔ وہ ڈھیلی اور سُست پڑتی جاتی تھی ۔

"تجھے اب کام کاج چھوڑ دینا چاہئیے ۔۔۔" ورچن جیسے زمین سے کہتا تھا ۔

"مجھے ؟ ۔۔۔" پاروشنی بہانہ پا کر رُکی اور سانس ٹھیک کرنے لگی "کیوں اتنی جلدی کیوں ۔۔۔ ابھی تو مگھر پوہ تک کچھ ہو گا ۔۔۔ تین چار ماہ بیچ میں ہیں ۔۔۔"

پر تجھے دیکھ کر تو لگتا ہے کہ ۔۔۔" ورچن کے بول میں وہ نرمی تھی جو بیج ڈالنے والے میں تب آتی ہے جب اُسے آس ہو کہ اُس کا بوٹا ہرا ہو گا ۔

نہیں ۔۔۔" دریا میں اُبھرے ٹاپو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پاروشنی بولی "نہیں مگھر پوہ تک ۔۔۔"

"ورچن ۔۔۔" تھوڑی دیر میں وہ پھر بولی ۔

ورچن بھی تھک رہا تھا وہ بھی رُک گیا "ہاں ۔۔۔"

"ہم یہ کام کاج کیوں کرتے ہیں اور میرے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ کیوں ہے اور کیسے ہے اور یہ سب کچھ کیسے آگے آگے چلتا ہے ۔ تمہارے مائی باپ اور تم اور پھر تمہارا آگے ۔۔۔"

"مجھ سے ہے ۔۔۔ ؟"

"ابھی کیا پتہ ۔۔۔" وہ جھنجھلا گئی "میں تو اس ساری حیاتی کی بات کرتی ہوں کہ یہ کیوں ہے ؟ اور ہم سب جنوروں کی طرح بندھے ہوئے اُسی طرح کیوں کرتے چلے جاتے ہیں جس طرح ہم سے پہلے بے انت برسوں سے جب یہ رُکھ نہ تھے اور تب تک جب یہ رُکھ نہ ہوں گے ۔۔۔ تب تک ہم ایسے ہی کیوں چلے جاتے ہیں ۔۔۔ اناج کے لئے ۔۔۔ اپنے بیج کو آگے بڑھانے کے لئے ۔۔۔ اسی طرح حیاتی کیوں گذارتے ہیں ۔۔۔"

ورچن اٹھا اور پسینہ پونچھتا اُس کے پاس ہو بیٹھا "جب یہ رُکھ نہ ہونگے اور کچھ بھی نہ ہو گا تو پھر بھی ہم ہوں گے ۔۔۔ ہم جنوروں کی طرح نہیں بندھے ہوئے پاروشنی ۔۔۔ ہم نے تو اُسے باندھ رکھا ہے اُسے کہ تُو اس طرح چل ۔۔۔ ہم تو اپنی من مرضی کرتے ہیں"

می آؤں ۔ می آؤں ۔۔۔ رُکھوں میں مور بولا پر اُس کی آواز صرف پاروشنی نے سُنی اور وہ دھیرے سے مسکرائی اُس روز کے لئے جب ایک پرندہ اُس کے سامنے گرا تھا جب وہ جھیل پر تھی اور پھر رُکھوں میں آئی تو یہ مور پیپل تلے اپنے رانگلے پر سمیٹے بولتا تھا اور اُسے دیکھتا تھا ۔

بستی کے سارے وسنیک اِن دنوں کھیتوں میں تھے ۔۔۔ وہ ایسا تو نہیں ہونے دیتے تھے کہ بڑا پانی کام پورا ہونے سے پہلے آ جائے اور پھر وہ سارا برس لوگوں کے سامنے شرمندہ رہیں کہ پتہ ہے ان کے حصّے کے کھیت میں ابھی بیج پوری طرح نہیں بکھیرا گیا تھا اور ڈھکا گیا تھا کہ پانی آ گئے اور انہوں نے کنک نہیں پر گھاس پھونس کاٹی اور کھائی ۔۔۔ یہ ایک ایسی ٹھیکر تھی جو